ڈاکٹر محمد اشرف کمال
صدر شعبہ اردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھکر

مولوی عبدالحق ''ہم سفر'' کے آئینے میں

Abstract:

Autobiography is an intresting sort of Literature, which reveals interesting incidents, general knowledge and current position of affairs. Bagum Hameeda Akhtar in her autobiography "Humsafar" provides us a chance to meet Molvi Abdul Haq in a different character i.e instead of a serious and literary personality; a playful andcheerful person. In this autobiography Molvi Abdul Haq who had been always busy in literary and research work seems a different character. This kind of his face was never seen in any other book.

خودنوشت ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں نہ صرف خودنوشت نگار کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ تمام شخصیات جن سے خودنوشت نگار کا تعلق ہوتا ہے وہ بھی زیر بحث آجاتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس دور کے تاریخی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ادبی وثقافتی صورت حال سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ خودنوشت ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں حقائق اور تاریخ تحریر کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

> ''اگر یہ سوال کیا جائے کہ ادب وانشاء اور تاریخ وتذکرہ کے اصناف میں سب سے زیادہ دل چسپ، دلآویز، خوش گوار اور شوق انگیز صنف کون سی ہے، تو شاید اکثر اہل ذوق کا جواب یہی ہوگا کہ ایک اچھے صاحب قلم اور ادیب کے قلم سے نکلی ہوئی ''آپ بیتی'' یہ انسانی نفسیات کا عجیب معمہ ہے کہ انسان کو دوسرے کی کہانی میں بعض اوقات وہ مزہ آتا ہے جو اپنی کہانی میں آتا ہے۔''(۱)

بلکہ میرے خیال میں یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ دوسروں کی کہانی پڑھنے اور سننے میں جو مزہ آتا ہے وہ اپنی کہانی میں بھی نہیں آتا۔

ممتاز ومقبول ادبی شخصیات نے اپنی خودنوشتیں لکھ کر نہ صرف خودنوشت نگاری کی صنف کو ترقی اور وسعت دی ہے بلکہ ان ادبی شخصیات کی حالات زندگی سے متعلق ایک تاریخی دستاویز بھی تیار ہوجاتی ہے۔ جو دلچسپ واقعات، معلومات، جذبات اور عصری حالات پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ سوانح عمریاں مختلف نفسیاتی اور معاشرتی رویوں کی عکاسی اور غمازی کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہیں۔ جن سے خودنوشت نگار اور اس دور کی مجموعی صورت حال اور ادبی وسیاسی منظرنامے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> ''خودنوشت تاریخ نہیں ہے لیکن اس میں تاریخی حقائق ضروری ہیں۔ یہ واقعات کا خشک بیان بھی نہیں ہے ان واقعات کے ساتھ جو کیفیات وابستہ ہیں ان کی داستان بھی ہے واقعات اس لیے اہم ہیں کہ ان واقعات نے کیا تاثرات اور کیفیات عطا کی ہیں یعنی ان سے دل پر کیا گزری ہے۔ آپ بیتی جگ بیتی بھی ہے کیونکہ اپنی زندگی میں ایک فرد اپنے خاندان، ماحول، علمی اداروں، تحریکوں، شخصیات، تہذیبی ادبی، معاشرتی اور سیاسی حالات سے دوچار ہوتا ہے ان سے بہت کچھ لیتا ہے اور شاید تھوڑا بہت ان کو دیتا بھی ہے بہر حال کوشش یہ ہونی چاہیے کہ لکھنے والا اپنے ساتھ ایمان داری برتے۔''(۲)

خودنوشت یا آپ بیتی دراصل کسی شخص کے ان مشاہدات وتجربات اور واقعات کی دستاویز ہوتی ہے جن سے اس شخصیت کا اپنی زندگی میں واسطہ پڑا۔احسان دانش لکھتے ہیں:

''آپ بیتی لکھنے والا انسان ناول نویس یا افسانہ نگار کی طرح ادب تخلیق نہیں کرتا بلکہ ان کے جلوۂ فکر سے ہٹ کر گزری ہوئی صداقتوں کوعصر حاضر کے بالا بر میں اس طرح رفو کرتا ہے کہ سیون دکھائی نہیں دیتی۔''(۳)

خودنوشت کی مدد سے ہم ایک قوم،ملت اور ملک کی تہذیب کی ابتدااور عہد بہ عہد ترقیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو تاریخ کے طالب علم کے لیے بڑی ضروری اور بڑی اہم ہے۔(۴) خودنشت ایک کارآمد،معلومات افزا صنف ہے۔جو نہ صرف خودنوشت نگار بلکہ دوسری اور بہت سی شخصیات کے پوشیدہ پہلوؤں کواجالنے کا کام کرتی ہے۔

خودنوشت لکھنا باقی تمام اصناف ادب کی نسبت مشکل اور دشوار کام ہے۔بیتی ہوئی باتوں اور بھولی ہوئی یادوں کوسمیٹنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کا شمار ہمارے ان اکابرین میں ہوتا ہے جن کی شخصیت اور نظریات وافکار نے تہذیبی وثقافتی،سماجی ومعاشرتی اور ادبی ولسانی سطح پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ان کی زندگی مقصدیت،فعالیت اور واضح نصب العین کے تعاقب میں سرگرداں نظر آتی ہے۔تحرک اور عمل انگیزی کا باہم امتزاج ان کی شخصیت میں ایک منفرد انداز سے جھلکتا ہے۔

بیگم حمیدہ اختر حسین کی خودنوشت ''ہم سفر'' کے عنوان سے افکار کراچی اگست ۱۹۹۳ء سے دسمبر ۱۹۹۴ء کے شمارہ تک ۱۷ اقسطوں پر مبنی ہے۔نصف کے قریب یہ خودنوشت مجلّہ ''افکار'' کراچی کے شماروں میں شائع ہوئی۔بعد میں یہ مکمل خودنوشت کتابی شکل میں سامنے آئی۔حمیدہ اختر حسین نے اس خودنوشت میں سادہ اسلوبِ بیان میں مولوی صاحب کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے مولوی صاحب کی زندگی کے کئی پہلوؤں سے پردہ اٹھتا ہے۔اس خودنوشت کے کرداروں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

''سب سے زیادہ حیرت بابائے اردو مولوی عبدالحق سے مل کر ہوتی ہے۔مولوی صاحب کی شخصیت پر علم اور سنجیدگی کے جو دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں انھیں ہٹا کر مصنفہ نے ہمیں ایک ایسے شخص سے ملوایا ہے جس کی خوش مزاجی اور زندہ دلی لڑکپن کی شوخیوں کو بھی مات کر دیتی ہے۔یہ شخص اپنے سے چھوٹوں میں،انھیں کی سطح پر آ کر اور سن وسال کے فرق کو مٹا کر اس طرح گھل مل جاتا ہے کہ علمی وتحقیقی کاموں میں مصروف رہنے والے مولوی عبدالحق سے بالکل مختلف دکھائی دیتا ہے۔ اس کتاب میں مولوی عبدالحق کی بڑی نادر تصویر نظر آتی ہے۔کہیں وہ چہرہ بگاڑ کر بچوں کو ڈرا رہے ہیں کہیں براتیوں کے ساتھ مل کر گانے گا رہے ہیں اور کہیں بیڈمنٹن،تاش اور پچیسی کھیل رہے ہیں۔یہ کھلنڈرے مولوی عبدالحق اس کتاب کے سوا کسی دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتے۔''(۵)

بیگم حمیدہ اختر حسین کی خودنوشت ''ہم سفر'' میں ان کا طرزِ تحریر سادہ اور پُرکار ہے۔انھوں نے اپنی خودنوشت میں اپنے دور کی بولتی ہوئی تصویریں پیش کی ہیں۔ یہ خودنوشت نہ صرف ان کی زندگی کا لفظی مرقع ہے بلکہ اس میں اس دور کی ترجمانی اور عکاسی بھی نظر آتی ہے۔

بیگم حمیدہ اختر کی خودنوشت ''ہم سفر'' ایک عمدہ خودنوشت ہے۔یہ مبالغہ آرائی،جھوٹ اور مکروفریب سے پاک ایک سچی خودنوشت ہے۔اس پر کسی ناول کا گمان ہوتا ہے لیکن آپ بیتی میں جو لطف اور مزہ ہے وہ جگ بیتی میں کہاں۔(۶) اس خودنوشت کی مرکزی شخصیت تو ویسے ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری اور ان کی بیگم حمیدہ اختر ہیں،مگر ان شخصیات کا مولوی عبدالحق سے جو قلبیہ تعلق رہا وہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ضرور ہے۔بقول مشفق خواجہ

''ہم سفر کے صفحات میں مصنفہ نے اپنی یادوں کے حوالے سے جو دنیا آباد کی ہے وہ بظاہر ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کے ساتھ گزرے ہوئے لمحوں کی روداد ہے لیکن اس دنیا میں کئی اور دنیاؤں کی سیر بھی شامل ہے۔۔اسلوب بیان ایسا دلکش ہے

کہ پڑھنے والا وہ کہیں اور سنا کرے کوئی، کے طلسم میں اسیر ہو جاتا ہے۔''(۷)

اختر حسین رائے پوری ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء میں حیدر آباد میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کے ساتھ رہے یہیں ان کی شادی حمیدہ سے ہوئی۔ ان کی شادی کرانے میں مولوی عبدالحق نے اہم کردار ادا کیا اور مولوی صاحب کی سفارش پر ان کا گھر آباد ہو گیا۔(۸) اختر حسین رائے پوری اپنے سسر ظفر عمر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علی گڑھ سے چلتے وقت میں ان کی صاحبزادی حمیدہ کا خواستگار ہوا رہا تھا۔ اس جسارت پر وہ کبیدہ خاطر ہوئے لیکن فیصلہ مولوی صاحب پر چھوڑ دیا۔۔۔ کچھ عرصہ بعد میری شادی ہو گئی اور جب تک حمیدہ حیدر آباد میں رہیں، مولوی صاحب نے ان سے بیٹی کا سا سلوک کیا اور گھر کا انتظام ان کے سپرد کر دیا۔''(۹)

مولوی عبدالحق کے ساتھ اورنگ آباد اور حیدر آباد قیام کے دوران کا احوال اختر حسین رائے پوری نے اپنی خودنوشت ''گردِ راہ'' میں بڑے خوبصورت اور عمدہ اسلوب میں بیان کیا ہے۔

''کچھ کم دو سال کا عرصہ اختر حسین نے حیدر آباد اور اورنگ آباد میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کی نگرانی میں لغت نویسی میں گزارا اور انھوں نے مولوی صاحب کے شب و روز کا حال جس مزے اور لطف سے لکھا ہے اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔''(۱۰)

مولوی عبدالحق بخوبی واقف تھے کہ شادی کے وقت حق مہر بھی طے کیا جاتا ہے لیکن انھوں نے گفتگو میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے بالکل ایک انجان کی طرح مہر کے بارے میں دریافت کیا۔

''سید حامد حسن میرے ماموں، مولوی صاحب کے پاس آکر مؤدب ہو کر جھک کر بڑی آہستہ آواز میں دریافت کرتے ہیں مولانا صاحب آپ مہر کا طے کر دیں۔ مولوی صاحب اچھل سا پڑتے ہیں اور با آواز بلند بڑی معصومیت سے کہتے ہیں حامد تم یہ مہر کا کیا نام لے رہے ہو ہم تو اختر کی شادی حمیدہ سے کرنے آئے ہیں۔''(۱۱)

مولوی صاحب نے شروع میں تو انجان بننے کی اداکاری کی لیکن بعد میں حق مہر کی پوری رقم پچیس ہزار جو کہ اس وقت ایک خطیر رقم تھی چیک لکھ کر لڑکی والوں کے حوالے کر دی۔

مولوی صاحب بے ساختہ اور بھی زور سے کہتے ہیں اچھا تو تم لڑکی کو بیچ رہے ہو؟۔۔ اچھا بولو بولو کیا بولی تم سب نے اس بیچاری لڑکی کی لگائی ہے؟
جو بڑی بہن اور گھر کی بہو کا ہے یعنی پچیس ہزار وہی مہر رکھیں گے۔ مولوی صاحب نے جھٹ جیب سے چیک بک نکالی اتنی ہی رقم کا چیک لکھ کر ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ''(۱۲)

بات سے بات پیدا کر کے گفتگو میں معنی خیزی پیدا کرنا مولوی صاحب کا خاصہ ہے۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

''اندر آکر پہلے مجھ سے پوچھا گیا پھر باہر جا کر حمیدہ بنت ظفر عمر وغیرہ وغیرہ آپ کو قبول! مولوی صاحب بول اٹھے قبول نہ ہوتی تو ہم حیدر آباد سے اٹھ کر آتے ہی کیوں۔''(۱۳)

مولوی صاحب کے نزدیک انسان کی قدر و منزلت اس کے حسب نسب، روپے پیسے اور ساز و سامان کی بجائے اخلاق، علم، ہنر اور صلاحیتوں سے ہوتی ہے اسی لیے وہ فرسودہ رسموں اور گھسی پٹی روایات کے خلاف تھے۔ اپنے انھیں نظریات اور خیالات کی بنا پر وہ جہیز کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

''شوکت عمر مولوی صاحب کو لے کر اس کمرے میں گئے جہاں جہیز سجا کر رکھا گیا تھا ان کی نظر سب سے پہلے اس کونے کی

طرف گئی جہاں پتیلیاں ایک دوسرے پر رکھی ایک چھوٹے سے مینار کی شکل میں تھیں۔ اپنی چھڑی سے ان کو ٹھک ٹھک کیا وہ دھما دھم نیچے ڈھلک کر گرنے لگیں۔ ارے بھئی یہ سب کیا ہے؟ کیا ہمارے گھر میں پکانے کو برتن نہیں؟'' (۱۴)

لوگ ساز و سامان اور سونے چاندی پر جان دیتے ہیں مگر مولوی صاحب کے ہاں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

''میز پر سب سے پہلے ان کو چاندی کا پاندان اور خاصدان نظر آیا اس کو بھی چھڑی سے نیچے گرایا چھی چھی یہ اور ہمارے گھر جائے۔ پھر ادھر ادھر نظر دوڑا کر کہا یہ الم غلم کچھ ہمارے ساتھ نہیں جائے گا۔ صرف حمیدہ کے اپنے پہننے کے کپڑے اور ذاتی استعمال کی دو چار چیزیں اور یہ بستروں کا ڈھیر کیا ہمارے گھر میں بستر نہیں؟ (۱۵)

حمیدہ شادی کے بعد جب مولوی صاحب سے ملنے اور سلام کرنے آئیں تو مولوی صاحب نے ان کے گھونگھٹ اور پردے کی وجہ سے بہت جھک کر ان کا منہ دیکھا اور منہ دکھائی دی۔

''شوکت بھائی میرا ہاتھ پکڑ کر مولوی صاحب کے پاس لے گئے یہ حمیدہ ہیں میں نے جھک کر آداب کیا۔۔۔ خود کو خوب جھکا کر میرا منہ دیکھا اور سر اونچا کرنے کے بعد کہا بھئی ہم کو تو ڈر ہے کہ کہیں شارداا یکٹ (۱۶) میں ہم دھر نہ لیے جائیں۔ یہ ذرا سی لڑکی ہے۔ پھر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور ایک ڈبیہ میرے ہاتھ پہ رکھ دی اس میں بے حد خوبصورت ہیرے کے لمبے لمبے بندے تھے۔'' (۱۷)

سفر اور سیر و تفریح کے دوران مولوی صاحب زاہد خشک کی بجائے ایک زندہ دل اور ہنس مکھ انسان نظر آتے ہیں جو ہر قسم کی سرگرمی میں نوجوانوں کے شانہ بشانہ تازہ دم اور ہر دم جواں دل دکھائی دیتے ہیں۔ مصنفہ کے بقول:

''جب ہم ریسٹ ہاؤس سے ڈھلان پر اترنے لگے تو مالی بھاگا ہوا آیا۔ نیچے زیادہ نہ جایئے گا آج کل کئی چیتوں کے جوڑے اس علاقے میں آئے ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب بولے یہ تو بہت اچھا ہے ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی پھر جانے کبھی یہاں آنا بھی ہو یا نہیں۔'' (۱۸)

مولوی صاحب اپنے آپ کو حالات اور ماحول کے ساتھ ڈھالنے کی قدرت رکھتے تھے اور بھرپور زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے ٹرین کے ڈبے سے کچھ لوگوں کو بھگانے کے لیے مولوی صاحب جھوٹ موٹ کے پاگل بن گئے

''مولوی صاحب کے قہقہے اس قدر زوردار تھے کہ ڈبہ گونج اٹھا۔ کہتے جائیں پاگل بن جانے میں کس قدر مزہ آیا۔ ورنہ حیدر آباد تک ان کا ساتھ سچ مچ ہم کو پاگل بنا دیتا۔'' (۱۹)

مولوی صاحب کے ذہن میں جو بات بیٹھ جاتی اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے اور ہرگز ہرگز پیچھے نہ ہٹتے۔ بقول مصنفہ

''ناک کو چڑھا بھنویں سکیڑ، نظریں مجھ پر جما کر پوچھتے ہیں یہ کھانے جیسی خوشبو کہاں سے آ رہی ہے۔ میں نے بتا دیا کہ اماں نے کل کے لیے کچھ کھانا ساتھ کیا ہے۔ پتیلیاں سیٹ کے نیچے رکھی ہیں۔ ایسے جھٹکے سے اٹھے جیسے کرنٹ لگ گیا ہو بولے اب اس سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔۔۔ ریل رکی تو با آواز بلند پکارنے لگے کسی کو کھانا چاہیے۔ کوئی نہیں آیا تو ایک قلی سے کہا کہ جلدی سے یہ سامان اتارو۔۔۔ جاؤ یہ گھر لے جاؤ موج کرو۔'' (۲۰)

حمیدہ اور اختر حسین رائے پوری شادی کے بعد جب مولوی صاحب کے گھر پہ رہنے کے لیے آئے تو مولوی صاحب نے ان کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے

چائے بنا کر آداب مہمانداری نبھائے۔

میں نے جیسے ہی ہاتھ سے تولیہ ہٹا کر چائے بنانے کا قصد کیا مولوی صاحب نے اپنی گرجدار آواز میں کہا۔ ہائیں ہائیں یہ کیا کرتی ہو چائے ہم خود بنائیں گے۔
شام کی چائے پھر مولوی صاحب نے دم کی اور پیالیوں میں ڈالی۔"(۲۱)

مولوی صاحب جانتے تھے کہ گھر گرہستی عورت ہی کا کام ہے اسی لیے انھوں نے تمام گھریلو معاملات حمید اختر حسین کو سونپ دیے۔

چائے کے بعد اپنے کمرے میں گئے اپنی الماری کی ایک دراز کنجی لگا کر کھولی اور ایک گڈا نوٹوں کا لا کر میرے ہاتھ میں دیا۔ یہ رکھو کل سے تم بشیر خانساماں کو بتاؤ گی کہ کیا پکے اور سب کی تنخواہیں بھی دے دینا۔(۲۲)

مولوی صاحب حمیدہ کا خیال اختر سے زیادہ رکھتے تھے اور ان کی دلجوئی کے لیے کوشاں رہتے۔ وہ اختر حسین رائے پوری کو بھی عزیز رکھتے تھے۔

"نو بجے رات کو حیدر آباد سے روانہ ہوئی اس خیال سے بے حد مگن کہ اسٹیشن پر مولوی صاحب اور اختر کھڑے ملیں گے گاڑی رکی، اتری دیکھا کہ صرف مولوی صاحب ہیں۔"(۲۳)

مولوی صاحب ایک وضعدار انسان تھے وہ رکھ رکھاؤ اور وضعداری کے ساتھ ساتھ بے تکلفی برتنا بھی جانتے تھے:

اختر کو وہ پیار میں مجھ سے جب اکیلے میں بات کرتے تو باگڑ بلا ہی کہتے۔"(۲۴)

مولوی صاحب چھوٹی چھوٹی باتوں اور برجستہ جملوں سے گفتگو میں چاشنی اور زندگی کو ہنسی اور مسکراہٹ دینے کی بھرپور صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔

"مولوی صاحب ٹی کوزی ہاتھ میں پکڑے کبھی چائے دان پر رکھتے اور کبھی مجھے دیکھ کر مسکراتے اور بولے کہ آج تو حد ہوگئی کہ ہمارے چائے دان کو کسی نے ٹوپی پہنا دی ہے یہ بات تو بہت اچھی کی جس نے بھی کی۔"(۲۵)

مولوی صاحب کی ہنس مکھ طبیعت نے نہ صرف حمیدہ بلکہ اختر حسین رائے پوری کے دل کو بھی موہ لیا۔ انھوں نے اختر کی نئی نویلی دلہن حمیدہ کی دلبستگی اور دلچسپی کے لیے جہاں اپنے رویے اور ہنستی مسکراتی باتوں سے ان کی زندگی میں خوبصورت رنگ بھرے وہاں انھوں نے بیگم حمیدہ اختر کے لیے مختلف کھیلوں کا بھی اہتمام کیا تاکہ ان کا دل بہلا رہے۔

"جب بڑے بنڈل کو کھولا تو اس میں تین بیڈمنٹن کے ریکٹ دوسرے میں نیٹ اور ساتھ والے ڈبے میں چھ عدد کاک شٹل دوسرے پیکٹ میں پچیسی کی بساط اور کوڑیاں، تیسرے ڈبے میں دو عدد تاش کی جوڑیاں۔ خوش ہو ہو کر کھولتی جاؤں اور نظر اٹھا کر مولوی صاحب کو دیکھ رہی تھی جو مسکرا رہے تھے ان کی آنکھیں بچوں کی طرح چمک رہی تھیں۔(۲۶)

مولوی صاحب کہ جن کی ساری عمر لکھنے پڑھنے، علمی و ادبی اور تحقیقی حوالے سے کام کرنے میں گزری، اختر اور ان کی بیگم کی وجہ سے تاش، پچیسی اور بیڈمنٹن جیسے کھیل سیکھے بھی اور ان کے ساتھ کھیلے بھی۔

""دوسری شام بیڈمنٹن کھیلتے وقت اختر اور مولوی صاحب کی ٹھن گئی کہ میں مولوی صاحب کی طرفداری کر رہی ہوں ---۔ مولوی صاحب بلا لے کر اختر کو مارنے بھاگے ظاہر ہے کہ اختر کے دوڑنے کی رفتار تیز تھی دور ہی سے بلا ایسا اچھال کر مارا کہ وہ کسی پتھر پر گر کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ادھر اختر ہنس رہے تھے ادھر میں۔ ہم دونوں پر بس نہ چلا تو شٹل کاک کا ایک ایک پر نوچ ڈالا۔"(۲۷)

مولوی صاحب کی ہر ادا اور شرارت کے پیچھے ایک معصوم جذبہ چھپا ہوا نظر آتا ہے:

''بسکٹ بہت اچھا لگا ایک اور لینے کو ڈبے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مولوی صاحب نے بالکل بچوں کی طرح جھٹ ڈبے کو بند کر کے دبوچ لیا، میں نے ہمت کر کے ان کے ہاتھ سے ڈبہ چھین لیا۔''(۲۸)

مولوی صاحب نہایت حاضر جواب تھے صورتحال کے مطابق ایسی بات کرتے سننے والا سنتا بھی اور سر کو بھی دھنتا:

''ایک رات کھانے کے بعد بچے کا نام زیر بحث رہا۔ بہت سے نام اختر تجویز کرتے جو ان کو پسند نہ آتے اور مولوی صاحب جو تجویز کرتے تو اختر کو نہ بھاتے پھر میں ایک دم بول پڑی کہ نازی کیسا رہے گا دونوں نے اس نام پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ مولوی صاحب بڑے خوش ہو کر بولے اس کی میں ٹریننگ کروں گا کہ تم اس سے ڈر کر ایسے کانپ جایا کرو گے جیسے یورپ والے نازی کے نام سے کانپ اٹھتے ہیں۔''(۲۹)

اس حوالے سے محمد خالد اختر لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب کی پیرانہ سالی پر طفلانہ معصومیت کا پرتو باقی رہا اور وہ اصلاً بھولے بھالے آدمی تھے ایک دن اختر حسین قاضی عبدالغفار سے ایک کتیا مانگ لائے جس کے نرم نرم سفید گھنگریالے بال تھے۔ مولوی صاحب نے اسے پال لیا اور اختر حسین کے پرزور احتجاج کے باوجود نازی اس کا نام رکھ دیا۔''(۳۰)

اس خودنوشت کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ مولوی عبدالحق کے نزدیک روپے پیسے کی کوئی اہمیت نہ تھی وہ انسانوں کی قدر کرتے تھے اور ان سے محبت رکھتے تھے۔

''مولوی صاحب کے اس خیال اور پیار کے تصور سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دونوں عیدگاہ سے واپس آئے گلے لگا کر مبارکباد کہنے کے بعد ایک اشرفی جیب سے نکال کر مجھے دی اور ایک اختر کو۔''(۳۱)

مولوی صاحب ایک نہایت پرخلوص، ملنسار اور پیار بھرا دل رکھنے والے انسان تھے۔ جو رشتوں اور تعلقداری کی نزاکتوں اور احساسات سے بخوبی واقف تھے اور انھیں نبھانا بھی جانتے تھے۔ اس خودنوشت میں بیگم حمیدہ اختر نے خوبصورت انداز میں مولوی صاحب کی تصویر پیش کی ہے جس میں زندگی کے سارے رنگ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ پیش لفظ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مشمولہ آپ بیتی (مولانا عبدالماجد دریا آبادی)، کراچی مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۳ء، دوسرا ایڈیشن، ص ۶

۲۔ آل احمد سرور، خواب باقی ہیں، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۹۱ء، ص ۷، ۸

۳۔ احسان دانش، جہان دانش، لاہور، خزینۂ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص ۱۲

۴۔ علم الدین سالک، آپ بیتیوں کے چند نمایاں پہلو، نقوش لاہور، آپ بیتی نمبر، جون ۱۹۶۴ء، ص ۴۱

۵۔ مشفق خواجہ، یہ کتاب مشمولہ ہم سفر از حمیدہ اختر حسین رائے پوری، دانیال کراچی، ۱۹۹۶ء بار دوم ص ۱۵

۶۔ محمد احمد سبزواری، ۱۹۹۴ء کی افکار فائل پر ایک نظر، افکار کراچی اپریل ۱۹۹۴ء، ص ۳۷

۷۔ مشفق خواجہ، دیباچہ ہم سفر از حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ص ۱۴، ۱۵، دانیال کراچی، ۱۹۹۶ء بار دوم

۸۔ محمد خالد اختر، اختر حسین کی گرد راہ، مشمولہ افکار کراچی اختر حسین رائے پوری نمبر مئی ۱۹۸۶ء، ص ۲۳۷

۹۔ اختر حسین رائے پوری، گرد راہ، دکن میں دو سال، قسط نمبر ۴، افکار کراچی جولائی ۱۹۷۶ء ص ۱۵

۱۰۔ محمد خالد اختر، اختر حسین کی گرد راہ، مشمولہ افکار کراچی اختر حسین رائے پوری نمبر مئی ۱۹۸۶ء، ص ۲۳۷

۱۱۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، دانیال کراچی، ۱۹۹۶ء بار دوم، ص ۵۰

۱۲۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۵۱

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ افکار کراچی نومبر ۱۹۹۳ء قسط نمبر ۴، ص ۲۸

۱۵۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۵۳

۱۶۔ انڈین ایکٹ، جس کے تحت ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی کی شادی پر جیل بھیج دیا جاتا

۱۷۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۵۴، ۵۵

۱۸۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۵۵، ۵۶

۱۹۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۶۲

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۶۷، ۷۰

۲۲۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۷۰

۲۳۔ افکار کراچی ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۲۷

۲۴۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۷۳

۲۵۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۷۶

۲۶۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۸۳

۲۷۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۹۹

۲۸۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۸۸

۲۹۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۱۳۳

۳۰۔ محمد خالد اختر، اختر حسین کی گرد راہ، مشمولہ افکار کراچی اختر حسین رائے پوری نمبر مئی ۱۹۸۶ء، ص ۲۳۸

۳۱۔ حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، ص ۱۷۵